نزہۃ الناظر فی مسئلۃ الحاضر والناظر

مولانا محمد حسین شوق پپلانوی

(ترتیب وتخریج وحواشی: خلیل احمد رانا)

نزہۃ الناظر فی مسئلۃ الحاضر والناظر

از استاذ العلماء مولانا محمد حسین شوقؔ (المتوفی ۱۴۰۶ھ/۱۹۸۵ء)

(ترتیب وتخریج وحواشی: خلیل احمد رانا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علی رسولہ الکریم

سخنان چند

تقریباً تیس سال قبل ایک دوست کی لائبریری میں کتابیں دیکھتے ہوئے ایک ہفت روزہ رسالہ ''محبوبِ حق'' لائل پور (فیصل آباد)، شمارہ ۱۴؍فروری ۱۹۶۴ء سامنے آیا، رسالہ میں دیگر مضامین کے علاوہ استاذ العلماء مولانا محمد حسین شوقؔ بن مولانا غلام محمود پپلانوی علیہ الرحمہ کے ایک مضمون ''نزہۃ الناظر فی مسئلۃ الحاضر والناظر'' پر نظر پڑی، علمی مضمون تھا، راقم نے ایک کاپی پر مکمل مضمون لکھ لیا، ابھی چند سال پہلے ہاتھ سے لکھے ہوئے اس مضمون کو سکین کر کے پی ڈی ایف فائل بنا کر اپنے کمپیوٹر میں محفوظ کر لیا، تقریباً دو ماہ پہلے یہ مضمون اپنے کرم فرما بھائی محقق جناب فیصل خان صاحب (راولپنڈی) کو ای میل کر دیا، انہوں نے اسے پڑھ کر پسند فرمایا اور راقم سے کہا کہ اسے کمپوز کر دیں، ہمارا ادارہ اسے شائع کرے گا، بہ ہر حال راقم نے اسے کمپوز کرنا شروع کر دیا، اس دوران خیال آیا کہ اس مسئلہ کی آسان لفظوں میں تھوڑی وضاحت کر دی جائے، راقم الحروف عالم فاضل تو نہیں لیکن علامہ سیّد احمد سعید کاظمی امروہوی قدس سرہٗ (متوفی ۱۹۸۶ء) ملتان کی تحریروں سے اس مسئلہ کو آسان کر کے سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔ **واللہ المستعان**

علامہ کاظمی کریم علیہ الرحمہ اپنی کتاب ''تسکین الخواطر فی مسئلۃ الحاضر والناظر'' میں فرماتے ہیں :

'' حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے جو لفظ حاضر ناظر بولا جاتا ہے، اس کے یہ معنی ہر گز نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت مطہرہ ہر جگہ ہر ایک کے سامنے موجود ہے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی طور پر

ہر ایک کے سامنے موجود ہیں)، بلکہ اس کے معنی یہ ہیں کہ جس طرح روح اپنے بدن کے ہر جزو (یعنی ہر حصے) میں موجود ہوتی ہے، اسی طرح رُوحِ دوعالم ﷺ کی حقیقتِ منورہ ذرّاتِ عالم کے ہر ذرہ میں جاری وساری ہے، جس کی بنا پر حضور ﷺ اپنی روحانیت اور نورانیت کے ساتھ بیک وقت متعدد مقامات پر تشریف فرما ہوتے ہیں ، اور اہل اللہ اکثر و بیشتر بحالت بیداری اپنی جسمانی آنکھوں سے حضور ﷺ کے جمالِ مبارک کا مشاہدہ کرتے ہیں، گویا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا اپنے غلاموں کے سامنے ہونا سرکار ﷺ کے حاضر ہونے کے معنی ہیں اور انہیں اپنی نظر مبارک سے دیکھنا حضور ﷺ کے ناظر ہونے کا مفہوم ہے۔

حاضر و ناظر کے مفہوم کا خلاصہ یہ ہے کہ عالم کا ذرہ ذرہ روحانیت نبی کریم ﷺ کی جلوہ گاہ ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھئے کتاب ''تسکین الخواطر'' از علامہ کاظمی علیہ الرحمۃ)

علامہ کاظمی علیہ الرحمہ اپنے ایک دوسرے مضمون میں فرماتے ہیں :

قال اللہ تعالیٰ وَمَآ أَرۡسَلۡنَٰكَ إِلَّا رَحۡمَةٗ لِّلۡعَٰلَمِينَ

(سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷)

ترجمہ۔'' اور ہم نے نہیں بھیجا آپ کو (اے محمد ﷺ) مگر رحمت تمام جہانوں کے لئے''۔

اُمت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والتحیہ کے نزدیک یہ امر قطعی ہے کہ اس آیۂ کریمہ میں کافِ خطاب سے مراد حضور سیّد عالم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کی ذات مقدسہ ہے، اور یہ امر بھی واضح ہے کہ رحمۃ للعٰلمین ہونا حضور نبی کریم ﷺ کا وصفِ خاص ہے، یعنی حضور ﷺ کے علاوہ کوئی رحمۃ للعالمین نہیں ہوسکتا، جس کی دلیل یہ ہے کہ آیہ کریمہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مدح میں وارد ہے، اور قاعدہ ہے کہ مقام مدح میں جو وصف وارد ہوگا وہ ممدوح کے ساتھ خاص ہوگا، کیونکہ تخصیص کے بغیر مدح ممکن نہیں، لہذا ضروری ہوا کہ رحمۃ للعالمین ہونے کا وصف حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لئے خاص ہو، کسی مسّلم ہستی کے کلام میں کسی دوسرے کے لئے اگر

مسامحہ کے طور پر یہ لفظ یا اس کا ہم معنی کوئی کلمہ وارد بھی ہو تو اسے مبالغہ یا مجاز پر محمول کیا جائے گا، حقیقت و واقعیت سے اس کو کوئی تعلق نہ ہوگا۔

العٰلمین سے مراد صرف انسان یا جن و بشر و ملائکہ ہی نہیں بلکہ ماسویٰ اللہ ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ کا رحمۃ للعالمین ہونا جہت رسالت سے ہے، اور رسالت کل مخلوق کے لئے عام ہے، جیسا کہ خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ارشاد فرمایا :

اُرسِلتُ اِلَی الخَلقِ کَافَّۃً (رواہ مسلم)

ترجمہ۔ میں تمام مخلوق کی طرف رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔

جب رسالت کل مخلوق کے لئے عام ہے تو رحمت بھی سارے جہانوں کے لئے عام اور اللہ کے سوا ہر ذرے کو شامل قرار پائی۔ وللہ الحمد

اس کے بعد لفظ ''رحمۃ'' کی طرف آیئے، مفسرین نے اس کی دو توجیہیں کی ہیں، اگر مستثنیٰ منہ اَعَمّ علل ہو تو ''رحمۃ اَرسَلنَا فعل کا مفعول لہٗ قرار پائے گا، اور تقدیر عبارت یہ ہوگی وَمَا اَرسَلنَاکَ لِعِلَّۃٍ مِنَ العِلَلِ اِلّا لِاجلِ الرحمۃ للعٰلمین، یعنی ہم نے آپ کو کسی لئے نہیں بھیجا صرف عالمین کے واسطے رحمت کے لئے بھیجا ہے، اور اگر اَعَمّ احوال کو مستثنیٰ بنایا جائے تو رحمت ضمیر خطاب سے حال ہوگا، اور لفظ رحمت مصدر مبنی للفاعل ہو کر بمعنی راحم قرار پائے گا اور تقدیر عبارت یوں ہوگی کہ ''وَمَا اَرسَلنَاکَ فِی حَالٍ مِنَ الاَحوالِ اِلّا حَالَ کَونِکَ رَاحِماً لِّلعٰلَمِینَ'' یعنی اے محبوب ﷺ نہیں بھیجا ہم نے آپ کو کسی حال میں مگر صرف اس حال میں کہ آپ تمام جہانوں کے لئے رحم کرنے والے ہیں، لفظ رحمت مفعول لہٗ ہو یا حال، بہر صورت حضور ﷺ راحم قرار پاتے ہیں، کیونکہ مفعولہٗ سببِ فعل ہوتا ہے اور فاعل بھی سبب فعل ہے، اس لئے حضور ﷺ کا راحم ہونا حال اور مفعول لہٗ دونوں کے مطابق ہے۔

(تفسیر روح المعانی، سورۃ الانبیاء، آیت ۱۰۷)

خلاصۃ الکلام یہ کہ حضور نبی کریم ﷺ تمام کائنات، کل مخلوقات، ایک ایک ذرہ، ایک

ایک قطرہ، غرض اللہ کے سوا ہر شئے کے لئے رحم فرمانے والے ہیں۔

بیان سابق کی روشنی میں جب حضور ﷺ کا تمام عالمین کے لئے راحم ہونا ثابت ہوگیا تو راحماً للعٰلمین ہونے کے لوازمات ومناسبات بھی ثابت ہوگئے، کیونکہ قاعدہ کلیہ ہے کہ اذا ثبت الشئی ثبت بجمیع لوازمہ یعنی جب کوئی چیز ثابت ہوتی ہے تو اپنے لوازمات کے ساتھ ثابت ہوتی ہے۔

کسی پر رحم کرنے کے لئے چار باتیں لازم ہیں :

۱۔ سب سے پہلے تو یہ امر لازم ہے کہ رحم کرنے والا زندہ ہو، مردہ نہ ہو، کیونکہ مردہ رحم نہیں کرسکتا، وہ خود رحم کا طالب و مستحق ہوتا ہے، لہذا اگر حضور ﷺ معاذ اللہ زندہ نہ ہوں تو راحماً للعٰلمین نہیں ہوسکتے، جب آیت قرآنیہ سے حضور ﷺ کا راحماً للعٰلمین ہونا ثابت ہوگیا تو حضور نبی کریم ﷺ کا زندہ ہونا بھی ثابت ہوگیا۔

۲۔ دوسری بات یہ ہے کہ صرف زندہ ہونے سے کسی پر رحم نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم کے حال کا عالم نہ ہو، کیونکہ بے خبر کسی پر کیا رحم کرے گا، اس کی مثال ایسی ہے کہ فرض کیجئے زید انتہائی مظلوم ہے اور چاہتا ہے کہ کوئی شخص اس پر رحم کر کے ظالم کے ظلم سے اسے بچائے، اسی خواہش کو لے کر وہ عمرو کے پاس جاتا ہے اور اس سے رحم کی درخواست کرتا ہے، عمرو اس کی درخواست سن لیتا ہے، مگر اسے معلوم نہیں کہ اس کا حال کیا ہے؟ وہ نہیں جانتا کہ یہ کس مصیبت میں مبتلا ہے اور کس نوعیت کے رحم کا طالب ہے اس لئے وہ اس سے دریافت کرتا ہے کہ تمہیں کیا تکلیف ہے اور تم کس طرح کی مہربانی چاہتے ہو، اَب اگر زید اسے اپنا حال نہ بتائے اور یہی کہتا رہے کہ آپ میرا حال نہ پوچھئے بس مجھ پر رحم کردیجئے، تو کیا عمرو اس پر رحم کرسکتا ہے؟ نہیں اور یقیناً نہیں، جب تک وہ اپنا حال نہ بتائے اور عمرو اس کے حالات سے پوری طرح باخبر نہ ہو، اس وقت تک وہ اس پر قطعاً رحم نہیں کرسکتا، آیت قرآنیہ کی روشنی میں حضور ﷺ تمام عالمین کل ماسویٰ اللہ جمیع کائنات ومخلوقات کے حالات کو نہ جانیں اور جمیع ماکان

وما یکون کا علم حضور ﷺ کو نہ ہو اس وقت تک حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام راحماً للعلمین نہیں ہو سکتے، جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا راحماً للعلمین ہونا ثابت ہے تو تمام کائنات کے احوال کا عالم ہونا بھی ثابت ہو گیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ صرف عالم ہونے سے بھی کسی پر رحم نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ رحم کرنے والا مرحوم تک اپنی رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار نہ رکھتا ہو، مثال کے طور پر ایک شخص شب و روز ہمارے پاس مقیم ہے، وہ دن رات اللہ تعالیٰ کی عبادت و طاعت میں مشغول رہتا ہے، اور عبادت و ریاضت کرتے کرتے وہ اس قدر ضعیف و ناتوں ہو گیا ہے کہ اس کے لئے چلنا پھرنا اور اُٹھنا بیٹھنا تک دشوار ہو گیا ہے، اگر ایسے شخص کو ڈاکہ زنی اور قتل و غارت کے الزام میں پکڑ کر تختۂ دار پر لٹکا دیا جائے اور وہ بے گناہ اس وقت ہم سے رحم کی درخواست کرتے ہوئے کہے کہ آپ خوب جانتے ہیں کہ میں بے گناہ ہوں، آپ مجھ پر رحم کیوں نہیں کرتے، تو ہم اسے یہی جواب دیں گے کہ واقعی ہم آپ کے حال سے اچھی طرح باخبر ہیں اور خوب جانتے ہیں کہ آپ بے گناہ ہیں، مگر فقط جاننے سے کیا ہوتا ہے؟ ہمارے پاس وہ قدرت و اختیار نہیں کہ آپ کو تختۂ دار سے بچالیں، اپنی رحمت آپ تک پہنچانے کا جب تک ہمیں اختیار نہ ہو اور قدرت نہ پائی جائے، اس وقت تک ہم آپ پر رحم نہیں کر سکتے، معلوم ہوا کہ قدرت و اختیار کا ہونا بھی رحم کرنے کے لئے ضروری ہے، جب حضور ﷺ تمام مخلوقات اور کل کائنات کے لئے علی الاطلاق راحم ہیں تو ہر ذرہ کائنات تک رحمت و نعمت پہنچانے کی قدرت و اختیار بھی حضور ﷺ کے لئے حاصل ہے۔

۴۔ چوتھی بات یہ ہے کہ صرف قدرت و اختیار سے بھی کام نہیں چلتا، کسی پر رحم کرنے کے لئے یہ بات بھی ضروری ہے کہ رحم کرنے والا مرحوم کے قریب ہو اور مرحوم راحم کے قریب ہو۔

اس بات کو ایک مثال کے ذریعے یوں سمجھئے کہ مثلاً آپ تین فرلانگ کے فاصلے سے

کھڑے ہیں، اچانک کیا دیکھتے ہیں کہ ایک خونخوار دشمن نے آپ کے مخلص دوست پر حملہ کر دیا، وہ چلّا کر آپ سے رحم کی درخواست کرنے لگا، آپ اس کی مدد کے لئے دوڑے اور خلوص قلب سے اس پر رحم کرنے کے لئے آگے بڑھے، مگر آپ کے پہنچنے سے پہلے ہی دشمن نے اسے ہلاک کر دیا، اَب غور کریں، آپ زندہ بھی ہیں اور اس دوست کو بچشم خود ملاحظہ بھی فرمارہے ہیں اور اس کے حال کے عالم بھی ہیں، رحم کرنے کی قدرت اور طاقت بھی آپ کے اندر پائی جاتی ہے، آپ اپنے اختیار سے رحم کر سکتے ہیں، لیکن صرف اس وجہ سے کہ وہ مخلص دوست وآپ سے دُور ہے اور آپ اس سے دُور ہیں، آپ اپنی حیات، قدرت واختیار کے باوجود بھی اس پر رحم نہیں کر سکتے، معلوم ہوا کہ رحم کرنے کے لئے راحم کا مرحوم سے قریب ہونا بھی ضروری ہے۔

جب آیۂ قرآنیہ سے رسول اللہ ﷺ کے لئے تمام جہانوں اور مخلوقات کے ہر ذرے کے لئے راحم ہونا ثابت ہو گیا تو یہ امر بھی واضح ہو گیا کہ حضور ﷺ اپنی روحانیت ونورانیت کے ساتھ تمام کائنات کے قریب ہیں اور ساری کائنات حضور ﷺ سے قریب ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ

اگر یہاں یہ شبہ پیدا کیا جائے کہ ایک ذات تمام جہانوں کے قریب کیسے ہو سکتی ہے؟ ایک فرد کسی ایک سے قریب ہوگا تو اس کے علاوہ باقی سب سے دُور ہوگا، یہ کس طرح ممکن ہے کہ فردِ واحد افرادِ کائنات میں سے ہر فرد کے قریب ہو۔

تو اس کا جواب یہ ہے کہ جن دو کے درمیان نزدیکی متصور ہے، اگر وہ دونوں کثیف ہوں تو واقعی ایسا ہی ہوگا کہ فردِ واحد افراد مختلفہ فی الزمان والمکان سے بیک وقت قریب نہیں ہو سکتا، اور اگر دونوں لطیف ہوں یا دونوں میں سے کوئی ایک لطیف ہو تو جو لطیف ہوگا وہ بیک وقت تمام موجوداتِ کائنات سے قریب ہو سکتا ہے، جس میں کوئی شرعی یا عقلی استحالہ لازم نہیں آتا۔

دیکھئے ایک ہی قرآن سارے جہان میں پایا جاتا ہے، مشرق ومغرب، جنوب وشمال،

افریقہ وامریکہ، چین جاپان میں ہر مسلمان ہر حافظ قرآن کے سینے میں ایک ہی قرآن ہے، اور وہ ایک ہونے کے باوجود سب سے قریب ہے، عالم محسوسات میں شکل وصورت اور آواز ہی کو لے لیجئے کہ ایک شکل، ایک صورت اور ایک ہی آواز بے شمار دیکھنے اور سننے والوں سے قریب ہے، ایک بولنے والے کی آواز تمام سامعین کے کانوں میں پہنچتی ہے، اور ایک ہی شکل وصورت سب دیکھنے والوں کی آنکھوں اور دماغوں میں پائی جاتی ہے، اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اگرچہ حافظان قرآن کثیف ہیں، اسی طرح سننے دیکھنے والے انسان بھی کثافت سے متصف ہیں، لیکن قرآن شکل وصورت اور آواز یہ سب چیزیں لطیف ہیں، اس لئے سب کے قریب ہیں کسی سے دُور نہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی لطافت اتنی قوی اور ارفع واعلیٰ ہے جس کی شان کو کائنات ومخلوقات کی کوئی لطیف سے لطیف چیز بھی نہیں پہنچ سکتی۔

اس لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا تمام افرادممکنات سے قریب ہونا بالکل واضح اور روشن ہے، ہم کثیف سہی لیکن حضور ﷺ تو لطیف ہیں، لہذا حضور ﷺ کا ہم سب سے قریب ہونا کوئی امر دشوار نہیں، آواز کی لطافت کا یہ حال ہے کہ جہاں تک ہوا جاسکتی آواز بھی وہاں تک پہنچ سکتی ہے، لیکن رسول اللہ ﷺ آواز اور ہوا سے بھی زیادہ لطیف ہیں، ہوا اپنے مقام محدود سے آگے نہیں بڑھ سکتی اور آواز ہوا سے آگے نہیں جاسکتی، لیکن جہاں آواز اور ہوا بھی نہ جاسکے، آواز اور ہوا تو کیا یوں کہئے کہ جہاں جبریل امین علیہ السلام کا بھی گزر نہ ہوسکے وہاں حضور ﷺ پہنچ جاتے ہیں، بلکہ جہاں زمانہ اور مکان بھی نہ پایا جاسکے وہاں بھی حضور ﷺ پائے جاتے ہیں، یقین نہ ہو تو شب معراج کا حال سامنے رکھ لیجئے جس سے آپ کو ہمارے بیان کی پوری تصدیق ہوجائے گی۔

مختصر یہ کہ لطافت ایسی صفت ہے جس کے ہوتے ہوئے قرب اور بُعد مکانی کا اشکال باقی نہیں رہتا، اور حضور ﷺ تو ایسے لطیف ہیں کہ تمام کائنات میں کوئی چیز رسول اللہ ﷺ کے

برابر لطیف پیدا نہیں ہوئی، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، مکتوبات شریف، جلد۳، ص ۱۸۷، مطبوعہ نولکشور لکھنؤ میں فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا سایہ نہ تھا، دلیل یہ کہ ہر چیز کا سایہ اس چیز سے زیادہ لطیف ہوتا ہے اگر رسول اللہ ﷺ کا سایہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ کے وجود مبارک سے زیادہ لطیف ہوتا اور حضور ﷺ کے وجود مبارک کے برابر کوئی لطیف چیز جہان میں پیدا نہیں ہوئی، چہ جائیکہ اس سے زیادہ لطیف ہو، اس صورت میں حضور ﷺ کا سایہ کس طرح ہوسکتا ہے۔

حاصل کلام یہ کہ حضور ﷺ تمام عالموں کے قریب اسی وقت ہوسکتے ہیں کہ جب اعلیٰ درجے کے نورانی، روحانی اور لطیف ہوں، چونکہ رحمۃً للعٰلمین ہونے کی وجہ سے ان کا تمام جہانوں سے قریب ہونا ضروری ہے، اس لئے ان کا روحانی، نورانی اور لطیف ہونا بھی ضروری ہوا، ایک آیت سے پانچ مسئلے وضاحت کے ساتھ ثابت ہوگئے، یعنی حضور ﷺ تمام عالموں کے لئے رحمت فرمانے والے ہیں لہٰذا زندہ ہیں اور تمام کائنات کے حالات و کیفیات کے عالم بھی ہیں اور ساتھ ہی عالم کے ہر ذرے تک اپنی رحمت اور نعمت پہنچانے کی قدرت واختیار بھی رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ تمام عالم کو محیط اور تمام کائنات کی ہر شئی سے قریب بھی ہیں، نیز ایسے روحانی، نورانی اور لطیف ہیں کہ جس کی بنا پر آپ کا کسی ایک چیز سے قریب ہونا دوسری چیز سے بعید ہونے کو مستلزم نہیں بلکہ بیک وقت تمام افراد عالم سے یکساں قریب ہیں۔

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

(پندرہ روزہ ''السعید'' ملتان، شمارہ یکم ستمبر ۱۹۵۹ء)

تعارف مصنف

استاذ العلماء مولانا مفتی محمد حسین شوقؔ ، پپلاں (ضلع میانوالی)

فاضل اجل حضرت علامہ مولانا محمد حسین شوق بن علامہ غلام محمود (متوفی ۲۳؍رمضان المبارک ۱۳۶۷ھ/ یکم اگست ۱۹۴۸ء)، پپلاں ضلع میانوالی سے پانچ میل مغرب کی جانب موضع وانڈہ کے مقام پر ۱۹۱۲ء میں پیدا ہوئے۔

اکثر علوم ابتداء سے انتہا تک اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ سے پڑھے، جو کہ منقولات و معقولات کے امام، ادب عربی کے بلند پایہ ادیب اور فقہ حنفی کے متبحر فاضل تھے، ان کے علاوہ مولانا سلطان اعظم ساکن چھپڑ ضلع سرگودھا، مولانا ولی اللہ گجراتی، مولانا غلام رسول ساکن انہی ضلع گجرات، مولانا مہر محمد (جامعہ فتحیہ اچھرہ لاہور) سے بھی درس نظامی کی کتابیں پڑھیں، دورہ حدیث جامعہ امینیہ دہلی سے کیا، دیوان ابن العارض کے چند اسباق اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے پڑھے۔

زمانہ طالب علمی میں اعلیٰ حضرت پیر مہر علی شاہ گولڑوی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل کیا۔

علوم وفنون کے بہت بڑے فاضل تھے، خصوصاً معقولات اور ریاضیات میں بے مثال مہارت رکھتے تھے، اپنے والد ماجد علیہ الرحمہ کے قائم کردہ دارالعلوم مدرسہ محمدیہ میں تدریس فرمائی۔

تلامذہ میں مولانا محمد نواز، قصبہ جال نزد پپلاں (میانوالی)، مولانا محمد شریف رضوی شیخ

الحدیث مظہر العلوم ملتان، مولانا محمد اکبر، خطیب پیر محل (فیصل آباد)، مولانا محمد سلطان احمد خطیب اعظم کلورکوٹ، مولانا غلام سرور، خطیب اعظم روڈی (میانوالی) مشہور ہیں۔

تصانیف میں، جام حیات، السیف البارق، کلمۃ التقویٰ، الجود والعطاء، النور والضیاء، نجوم ہدایت، دعا بعد الجنازہ، ظہور الشفقۃ فی عجز عن نفقہ، منذورات اولیاء کرام، افضل الصلوٰۃ علی باعث الحیاۃ۔

۲رصفر ۱۴۰۶ھ/ ۱۹۸۵ء کو پپلاں ضلع میانوالی میں وصال فرمایا۔

ماخذ۔(تجلیات مہر انور، از شاہ حسین گردیزی، ص۲۸۷۔

تعارف علمائے اہل سنت، از محمد صدیق ہزاروی، ص۲۸۴)

نزھة الناظر فی مسئلة الحاضر و الناظر

درون سینۂ آدم چہ نوراست　　چہ نوراست ایں کہ غیب او حضوراست

بخاک آلودہ و پاک از مکان است　　بہ بیند روز و شب پاک از مکان است

(علامہ اقبال)

بعض احباب کے فرمان و اصرار اور فرقہ نجدیہ کی بحث و تکرار کی وجہ سے اس موضوع پر چند باتیں سپرد قلم کی جاتی ہیں۔ گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

یوں تو موجودہ سائنسی اور علمی دور میں سارے جہان کی وسعتیں سمٹ کر مکان واحد کی حیثیت اختیار کر چکی ہیں، فضا و خلاء میں نور نظر سے تیز رفتار راکٹوں کی حرکت و آواز ایک جگہ سے دیکھی اور سُنی جا سکتی ہے اور احادیث معراج میں حضرات انبیاء علیہم السلام کا بیک وقت قبروں میں اور مسجد اقصیٰ اور آسمانوں پر تشریف فرما ہونا خواہ وجود مثالی ہو یا عنصری تحقق و وقوع کے دائرہ میں آ چکا ہے، لیکن ان نا قابل انکار حقائق کے شاہد عدل ہونے کے باوصف بعض شب پرہ صفت انسان جو ظاہر باطن کی بصارت و بصیرت سے محروم ہیں، کوہساروں کی چوٹیوں جیسے بھُس بھرے سر ہلا ہلا کر ''ہم نہ مانیں'' کی رٹ لگائے جا رہے ہیں کہ کسی کا ہر مکان میں حاضر ہونا یا کسی مکان سے دوسرے مکان والے کو دیکھ لینا یہ اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے (العیاذ باللہ)

حالانکہ اس کی ذات والا صفات زماں و مکان کی حدوں سے بالا ہے اور انسانی عقل و

فہم کی دسترس سے بہت بلند، بہت دُور اور وراالوراء ہے، وہ غائب کس وقت ہے کہ دوسرے وقت حاضر ہو؟ **تعالی اللہ عما یصفون**، اور کبریٰ یہ ہے کہ کسی دوسرے کو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کی کسی صفت خاصہ میں شریک کرنا کفر ہے، لہذا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتقاد رکھنا عین شرک اور کفر صریح ہوگا۔ ع کجا بود مرکب کجا تاختم

اولاً یہ صغریٰ ہی شرعاً ممنوع ہے کیونکہ اِن الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ جل مجدہٗ کی ذات مقدس پر بغیر تاویل تمام فقہاء کرام نے ناجائز قرار دیا ہے (ردالمحتار و شامی، جلد ۳، صفحہ ۳۱۷) "**یا حاضر ناظر لیس بکفر**"، علامہ شامی **لا یکفر** کی علت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حاضر بمعنی عالم اور ناظر بمعنی رائی مراد لیا جائے گا لہذا کفر نہ ہوگا، معلوم ہوا کہ لغوی اور حقیقی معنوں میں اس لفظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر کفر ہے، کیونکہ حاضر کا حقیقی معنیٰ **حاضر بھذا الجسم** ہے اور ناظر کا معنی بہذا العین ہے اور اللہ تعالیٰ جل شانہٗ ان دونوں باتوں سے مقدس و منزہ ہے، جب ان الفاظ کا اطلاق اللہ تعالیٰ پر جائز ہی نہیں تو خاصہ کس طرح ہوں گے اور جب خاصہ نہ ہوئے تو ان کا اطلاق کسی دوسرے پر شرک و کفر کیسے ہوگا۔

ثانیاً اسماء الٰہیہ توقیفیہ ہیں اور قرآن و حدیث اور کتب اوراد وظائف میں کہیں بھی یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے مبارک اسماء میں ذکر نہیں کئے گئے، تو معلوم ہوا کہ یہ اسمائے الٰہیہ میں سے نہیں ہیں، لہذا کسی دوسرے پر ان کا اطلاق شرعاً ممنوع نہ ہوگا۔

سوال۔ حاضر و ناظر کے مرادف الفاظ "شہید و بصیر" کا اطلاق حقیقتاً اللہ تعالیٰ پر جائز اور وارد ہے، تو ان کا اطلاق بھی اللہ تعالیٰ پر جائز ہوگا۔

جواب۔ ممکن ہے جس چیز کو ہم مرادف سمجھ رہے ہیں وہ واقع میں مرادف نہ ہو دیکھئے خیالی، صفحہ ۷۲

"**و ایضاً لا نسلم ان الاذن بالشئی اذن بمرادفه و لازمه کیف**

لا وقد یکونان موهمین للنقص ولا شك فی صحة اطلاق خالق

کل شئی ویلزمہ خالق القردۃ والخنازیر مع عدم جواز اطلاق اللازم ھکذا فی شرح عقائد نسفی'' ص۳۱

''یعنی ہم نہیں مانتے کہ کسی لفظ کے بولنے کی اجازت سے اس کے ہم معنی اور لازم کے بولنے کی بھی اجازت ہو جائے، کیونکہ بعض اوقات لازم اور مرادف الفاظ کا اطلاق نقص اور عیب کا باعث ہو جاتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کے پیدا کرنے والے ہیں اور اس کو لازم ہے کہ اللہ تعالیٰ بندروں اور خنازیر کے خالق ہوں، اور واقعہ میں ایسا ہے بھی، لہذا خالق کل شئی کا اطلاق تو بلاشک جائز ہے، اور دوسرے لازم المعنی الفاظ کا اطلاق ناجائز ہے، شرح عقائد میں بھی یہ مسئلہ اسی طرح مذکور ہے''۔

فتاویٰ بزازیہ، جلد۳ برحاشیہ فتاویٰ الھندیہ، صفحہ ۳۴۷ مطبوعہ بولاق مصر ۱۳۱۰ھ، جلد سادس پر ہے :

'' تواتر فی رساتیق آذر بائیجان ان قولھم للہ تعالیٰ یا حاضر یا ناظر کفر لیس بصحیح فان الحضور بمعنی العلم سائغ و شائع وما یکون نجوی ثلثۃ الاھور ابعھم والنظر بمعنی الرؤیۃ الم تعلم بان اللہ یری قدور د فیکون المعنی یاعالم یا من یریٰ فلا یکون کفر وان لم یصح قول من قال ان اللہ بکل مکان بالعلم کما عرف فی علم الکلام ''

''یعنی آذربائیجان کے گنواروں کی عادت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو یا حاضر یا ناظر کے اسماء سے پکارتے ہیں، اسے کفر کہنا درست نہیں، کیونکہ حضور سے مراد علم اکثر لیا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ خود قرآن کریم میں فرماتے ہیں اگر تین آدمی خفیہ بات کرنے والے ہوں، تو اللہ تعالیٰ ان کا چوتھا ہوتا ہے، اور نظر بمعنی رویت لیں گے اور اس کا اطلاق قرآن میں موجود ہے، **الم تعلم بان اللہ یریٰ**، لہذا

''یا حاضر'' کا معنیٰ ''یا عالم'' اور ''یا ناظر'' کا معنیٰ ''یا من یریٰ'' اے دیکھنے والی ذات، پھر کفر نہ ہوگا، اگر چہ ان لوگوں کی بات درست نہیں جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر مکان میں علمی طور پر موجود ہیں، جیسا کہ علم کلام میں اس کی بحث موجود ہے''۔

مندرجہ بالا فقہی حوالہ سے قطعی طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ کوشش کے باوجود فقہاء کرام کو ان الفاظ کا حقیقی اطلاق بغیر تاویل جائز نظر نہیں آیا۔

سوال۔ یہ قصہ تو حضرت صرف لفظ کے اطلاق کے جواز وعدم جواز کے متعلق ہے، ہمارا تنازعہ اور اختلاف تو مصداق اور مفہوم کے متعلق ہے، کیا عقیدتاً ایسا سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی دوسرا بھی ہر جگہ موجود ہوسکتا ہے یا ہر چیز کو دیکھ سکتا ہے، ہمارے خیال میں یہ چیز صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ کا خاصہ ہے اور اس خاصہ میں کسی غیر کو شریک کرنا کفر ہوگا۔

جواب۔ مفہوماً اور مصداقاً بھی خاصہ ثابت کرنے کے لئے نص قطعی الدلالۃ اور قطعی الثبوت بالفاظ حصر حقیقی درکار ہے تاکہ وہ صفات الٰہیہ میں سے ہوجائے اور یہ عنقا ہے۔

سند منع کے طور پر مسئلہ التحیات میں ہر نماز پڑھنے والے کو ہر جگہ السلام علیک یا رسول اللہ کہنا ضروری ہے اور حدیث قبر'' **ما کنت تقول فی ھذاالرجل** ''(صحیح بخاری، کتاب الجنائز، حدیث ۱۳۳۸) اور حدیث '' **کما انظر الی کفی ھذہ** ''(کنزالعمال، جز۱۱، حدیث ۳۱۹۷۱) اور آیت قرآنیہ قُلْ يَتَوَفّٰكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُم (سورۃ السجدۃ، آیت ۱۱) یعنی فرمادیجئے کہ تم سب کو (مومن ہو کافر جہاں بھی ہو) وہ فرشتہ مارتا ہے جسے ملک الموت کہا جاتا ہے اور جس کے سپرد تم سب کو کیا گیا ہے۔

دوسری جگہ ہے'' حَتّٰىٓ اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا ''(سورۃ الانعام ،آیت ۶۱)، تفسیر خازن صفحہ ۱۷ اسورۃ الانعام میں'' **قال مجاھد جعلت الارض لملک الموت مثل الطشت یتناول من حیث شاء** '' مجاہد کہتے ہیں کہ تمام روئے زمین

عزرائیل علیہ السلام کے لئے ایک تھالی کی مانند ہے، جہاں سے جس کو چاہے پکڑ لے، اور تفسیر معالم التنزیل (البغوی) صفحہ ۱۵۲ (مطبوعہ دارالطیبہ الریاض) میں ہے ''وجاء فی الاخبار ان اللہ تعالیٰ جعل الدنیا بین یدی ملک الموت کالمائدۃ الصغیرۃ فیقبض من ھا ھنا ومن ھا ھنا فاذا کثرت الارواح یدعو الارواح فتجیب لہ''۔

یعنی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام دنیا کو ملک الموت کے سامنے چھوٹے دسترخوان کی طرح بنا دیا ہے، پس اِدھر سے اُدھر سے جہاں سے چاہے مرنے والوں کی روح قبض کرلیتا ہے اور روحیں جب زیادہ ہو جائیں تو سب کو یک دم بلالیتا ہے تو وہ اس کے پاس چلی جاتی ہیں۔

گویا اللہ تعالیٰ نے اسے آج کی تاریخ میں مرنے والوں کا علم کیا ہے، وہ انہیں پہچانتا ہے، جو باقی ہیں ان میں سے ہر ایک کی زندگی کے متعلق اسے علم حاصل ہے کہ کتنی باقی ہے، یہ کب مرے گا اور جس وقت چاہے غائبانہ اِن ارواح کو آواز دیدے، وہ لبیک کہیں گی،، سبحان اللہ وبحمدہٖ وقدرتہ۔

تفسیر جمل، جلد۲، صفحہ۴۰ میں ہے :

''قال الکرخی :والدنیا کلھا بین رکبتی ملک الموت و جمیع الخلائق بین عینیہ و یداہ یبلغان المشرق والمغرب'' ، ھکذا فی التفسیر الطبری ،جلد۷، صفحہ۱۲۹

کرخی کہتے ہیں کہ تمام دنیا ملک الموت کے دونوں گھٹنوں کے درمیان ہے اور تمام خلقت اس کی دونوں آنکھوں کے روبرو ہے اور اس کے ہاتھ مشرق اور مغرب تک پہنچتے ہیں، طبری میں بھی اسی طرح ہے۔

''صاحب التفسیر الصاوی جمع الروایات الکثیرۃ موافقۃ لھذا المعنی روی ان الدنیا ملک الموت جعلت مثل راحۃِالید فیاخذ

منها من حيث شاء اخذه بغير مشقة فهو يقبض ارواح الخلق من مشارقها و مغاربها و فی رواية مامن اهل بيت الا و ملك الموت تبغضهم فی كل يوم مرتين الخ‘‘

(تفسیر الصاوی علی الجلالین، الجزالثانی، مطبوعہ مصر ۱۳۵۴ھ/ ۱۹۲۶ء ص ۱۹)

حضرت شیخ احمد الصاوی المالکی صاحبِ تفسیر الصاوی رحمۃ اللہ علیہ نے بہت سی روایات اس کے موافق جمع فرمائی ہیں، ایک روایت میں ہے کہ کوئی گھر ایسا نہیں جہاں ملک الموت ایک دن میں دو دفعہ آ کر انہیں شرمندہ نہ کرتا ہو۔

سوال۔ بروایت امام نووی شارح مسلم، جلد ۲، صفحہ ۳۴۲، اسمائے الٰہیہ ننانوے میں بند نہیں ہیں، لہذا یہ کہنا کہ حاضر ناظر اسمائے الٰہیہ میں مذکور نہیں، قابل توجہ نہیں ہے۔

جواب ۔ اسمائے الٰہیہ بلا شک ننانوے میں بند نہیں لیکن کیا ان غیر معروف اسماء کا اطلاق بھی جائز ہے، اگر ایسا جائز ہوتا تو پھر علمائے عقاید کا ننانوے اسماء کو توقیفی کہنا اور غیر توقیفی اسماء کے اطلاق کو ناجائز رہنا کیا معنی رکھتا ہے، کیا الفاظِ مشتقہ میں سے بذریعہ اشتقاق اطلاق اسماء جائز ہے، یعنی مخرب، مُبدّل، منقلب وغیرہ؟ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

سوال۔ حاضر ناظر ’’ الشھید‘‘ اور ’’ البصیر ‘‘ کا معنی ہے، جیسا کہ خدا ’’ مالک ‘‘ اور ’’ رب ‘‘ کا معنی ہے حالانکہ اسمائے توقیفیہ میں سے نہیں ہے۔

جواب۔ نبراس شرح، شرح عقاید نسفی میں ہے کہ خدا اطلاق اس معنی کی وجہ سے نہیں بلکہ توارث اور شہرت کی وجہ سے ہے۔

سوال۔ شہرت تو ان اسماء کو بھی حاصل ہے، عدالت قانونی میں ہر گواہ کو کہا جاتا ہے خداوند تعالیٰ کو حاضر ناظر جان کر سچ کہو۔

جواب۔ یہ شہرت بذریعہ اطلاق اسماء الٰہیہ نہیں ہے بلکہ بذریعہ مفہوم ہے، اس کا

قطعاً یہ مطلب نہیں ہوتا کہ حاضر ناظر اللہ تعالیٰ کے اسماء ہیں بلکہ مقصد یہ ہوتا ہے جو سابق الفاظ سے بھی ظاہر ہورہا ہے کہ تم ایسا خیال کرو کہ تم اللہ تعالیٰ کے سامنے ہو، یا اللہ تعالیٰ تمہیں اس حالت میں دیکھ رہے ہیں، جیسا کہ حدیث شریف میں ہے کہ نماز اس طرح پڑھو کہ تم اسے دیکھ رہے ہو، اگر یہ نہ ہوسکے تو کم ازکم یہ تو خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں دیکھ رہے ہیں، بالفرض والمحال تسلیم کرلیا جائے کہ یہ اطلاق بطور اسم جائز ہے (یعنی مرادف شہید سمجھ کر) جیسا کہ شہید بمعنی حاضر بروایت مشکوٰۃ شریف، جلد۱، صفحہ ۱۹۹ اور صراح، صفحہ ۱۳۴ میں موجود ہے، تو پھر جس طرح سمیع، بصیر، علیم، رؤف ورحیم تمام اسماء مشترکہ میں سمع وبصر وہی مراد لی جاتی ہے جو اللہ تعالیٰ جل شانہٗ کے شانِ رفیع کے مناسب ہے، اسی طرح یہاں بھی وہ حضور مراد ہوگا جو اللہ تعالیٰ کے شان کے لائق ہو، جس کی ہم کیفیت نہیں بیان کرسکتے، اور حضور، حضور میں کوسوں کا فرق ہے، کما سیاتی

سوال ۔ ناظر بمعنی رائی بالعین، قرآن وحدیث میں کثرت کے ساتھ موجود، ملاحظہ ہو مشکوٰۃ شریف، صفحہ ۴۶۰ (حدیث ۵۳۷۱) **ان اللہ نظر الیٰ اھل الارض**، اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کی طرف دیکھا، قرآن کریم میں ہے **فَيَنظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُونَ** (پ۹، رکوع ۵)، دوسری جگہ ہے **ثُمَّ جَعَلۡنَـٰكُمۡ خَلَـٰٓئِفَ فِى ٱلۡأَرۡضِ مِنۢ بَعۡدِهِمۡ لِنَنظُرَ كَيۡفَ تَعۡمَلُونَ**، (سورۃ یونس، آیت ۱۴)، اسی طرح حدیث شریف میں ہے **لا تدعون اصم ولا غائباً** (بخاری شریف، جلد۲، صفحہ ۶۰۵، حدیث ۷۳۸۶)، یعنی ان آیات واحادیث میں نظر بمعنی رائی (دیکھنے والا) موجود ہے، پھر تم کس طرح کہتے ہو کہ ان اسماء کا اطلاق ناجائز ہے۔

جواب ۔ **ولا غائبا** کا معنی **ای غیب عنکم**، یعنی **یعلمکم**، وہ تمہیں جانتا ہے اور یہی معنی آیات نظر کے ہیں، کیونکہ رویت اور نظر یعنی دیکھنا اور حضور دونوں دو قسم ہیں، بصری اور علمی، جسمانی اور علمی بالترتیب اللف، یہ دعویٰ کس طرح ثابت ہوا کہ اِن آیات میں نظر ناظر بہذا العین کے معنوں میں ہے، جو متعارف ہے اور ممنوع ہے اور حاضر بہذا الجسم جو زیر بحث ہے اور ناجائز ہے۔

مکتوبات حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، صفحہ ۵۰۳، مکتوب ۲۶۶ میں ہے۔

'' پس ہم ایمان لاتے ہیں کہ حق تعالیٰ اشیاء کو محیط ہے اور ان کے قریب اور ساتھ ہے ، لیکن اس کے قرب اور احاطہ اور معیت کی حقیقت کو نہیں جانتے کہ کس طرح ہے، اس کو احاطہ و قرب علمی کہنا بھی متشابہ تاویلوں سے ہے لیکن ہم اُن کی تاویلوں کے قائل نہیں ہیں''۔ اھ ک

تنبیہ

بعض جہال خلط مبحث کے طور پر مسئلہ حاضر و ناظر اور مسئلہ علم غیب رسول اللہ ﷺ میں فرق نہیں کرتے اور دونوں کو ایک مسئلہ سمجھ کر نفی علم کے دلائل پیش کرنے لگ جاتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں مسئلے علیحدہ ہیں۔

بنا بریں ایک صاحب نے کتاب تو لکھی مسئلہ حاضر ناظر کی تردید میں اور دلائل نفی علم کے بیان کرنے شروع کر دیئے، ملاحظہ فرمایئے : (۱)

۱۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو فرشتوں کا علم نہ ہو سکا اور عام مہمان سمجھ کر بچھڑا بھون کر پیش کیا۔

۲۔ مکہ شریف میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی خبر گیری کرنے کے لئے آتے جاتے رہے۔

۳۔ حضرت یعقوب علیہ السلام بیٹے کے فراق میں روتے رہے۔

۴۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا مَا لِیَ لَآ أَرَى الْهُدْهُدَ، (سورۃ النمل، آیت ۲۰) اگر حاضر ناظر ہوتے تو ایسا کیوں فرماتے۔

۵۔ اگر حاضر ناظر کا اعتقاد رکھا جائے تو آنحضرت ﷺ کی ہجرت اور جہاد و معراج شریف وغیرہ یہ سب ضائع ہو جائیں گے۔

ناطقہ سر بہ گریباں ہے اِسے کیا کہیئے

جواب

۱۔ اِن بوجھ بجھکڑ قسم کے علامہ صاحبان نے غور نہیں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ پچھلی رات آسمانِ دنیا پر کیوں اُتر آتے ہیں، فرمایا يتنزل ربنا تبارك وتعالىٰ كل ليلة الى السماء الدنيا الحديث (بخاری، حدیث ۶۳۲۱)، گو اللہ تعالیٰ اس انتقال ونزول سے پاک ہیں، لیکن اِن الفاظ کا جو معنی اور تاویل بھی آپ کر لیں، کیا اس انتقال سے خدائی رخصت ہو جاتی ہے ؟

۲۔ مشکوٰۃ کتاب المناقب (حدیث ۵۵۷۷) میں ہے کہ ایک دفعہ ہمارے رؤف ورحیم حضور ﷺ سجدہ میں سر رکھ کر یا رب اُمتی یا رب اُمتی کے دردناک الفاظ مبارک زبان والا شان سے ادا فرما رہے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کو بھیجا کہ اللہ تعالیٰ کو خوب علم ہے اور آپ ﷺ سے دریافت کر کہ رونے کا سبب کیا ہے، ملاحظہ فرمایئے کیا اللہ تعالیٰ کا یہ دریافت فرمانا بھی عدم علم کی بنا پر ہوگا۔

۳۔ حضورِ روحانی یا فضائی مثالی کے لئے سفر وجہاد ہرگز مضر نہیں، عقل کے ناخن لیجئے اور شدید زکام کی دوا کیجئے۔

۴۔ طبعی محبت اور انسانی جذباتِ اُنسیت اپنے محبوب کو اِن ظاہری آنکھوں سے دیکھنے سے ترستے ہیں، کبھی کسی بیوہ عورت کے لڑکے کو چند میل کے فاصلہ پر کسی مدرسہ میں تعلیم کے لئے داخل کرادو، پھر روزانہ اُسے خط یا تار کے ذریعہ سے اُس کی صحت اور تندرستی کی خبر بھی دیتے رہو، کیا یہ علم اس کی محبت کی بھڑکتی ہوئی آگ پر پانی چھڑک دے گا، کیا اُس کے دل میں اپنے بچہ کو دیکھنے کی تڑپ پیدا نہ ہوگی؟ معلوم ہوتا ہے کہ آپ سب اپنے اِن غیظ وغضب سے پُر سینوں کے اندر ایک انسانی دل نہیں رکھتے یا عداوت الرسول ﷺ کی وجہ سے آپ کے تاریک قلوب جذباتِ محبت وشفقت سے بالکل محروم ہو چکے ہیں۔

سورۂ یوسف کی ابتداء میں ہے كَذٰلِكَ يَجْتَبِيْكَ رَبُّكَ وَيُعَلِّمُكَ مِن تَأْوِيلِ

الْأَحَادِيْثِ وَيُتِمُّ نِعْمَتَهُ عَلَيْكَ (سورہ یوسف، آیت ۶)، حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے بیٹے یوسف علیہ وعلیٰ نبینا السلام کو فرما رہے ہیں کہ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہیں تمام لوگوں میں سے چُن لیں گے اور تعبیر کا علم عنایت فرمائیں گے اور اپنی عنایت و نبوت کی نعمت کو تم پر مکمل کریں گے، اور آخر سورہ میں ہے عَسَى اللّٰهُ أَن يَأْتِيَنِي بِهِمْ جَمِيعاً إِنَّهُ هُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ (سورہ یوسف، آیت ۸۳)، مجھے اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان سب بھائیوں کو اکٹھے میرے پاس لائے گا، بے شک وہ سب باتیں جانتا ہے اور بہت بڑا دانا ہے۔

اور فرمایا أَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لاَ تَعْلَمُونَ (سورہ یوسف، آیت ۸۶) میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے وہ سب باتیں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے، کیا آپ نے سورۂ یوسف میں کبھی ان آیات کو بھی پڑھا ہے، جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں تمام نعمت کا علم تھا اور سب کے بخیریت واپس آنے کا بھی، تو پھر آپ کا تأسف یقیناً طبعی مجبوری اور ظاہری فراق کی وجہ سے تھا، نہ کہ بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے، علاوہ ازیں ہماری گفتگو صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حاضر ناظر ہونے کے متعلق ہو رہی ہے، اور آپ بیچ میں ہر نبی اور ہر ولی کو زبردستی لا رہے ہیں، میرے کرم فرماؤ ان تنکوں کا سہارا چھوڑ دو، تنکوں نے غرق ہونے والوں کو کبھی نہیں بچایا۔

سوال۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بوجہ فرمان خداوندی إِنَّا أَرْسَلْنَاكَ شَاهِداً وَمُبَشِّراً وَنَذِيْراً (سورہ الاحزاب، آیت ۴۵) وقولہ تعالیٰ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدا (سورہ البقرہ، آیت ۱۴۳) میں شاھد اور شھید کا معنی حاضر ناظر کر لینے سے اگر حضور اس صفت سے موصوف ہو سکتے ہیں، تو پھر بوجہ قولہ تعالیٰ مَا كُنتَ لَدَيْهِمْ إِذْ يُلْقُون أَقْلاَمَهُمْ (سورہ آل عمران، آیت ۴۴) میں اللہ تعالیٰ کا نفی فرمانا کہ آپ اس وقت ان لوگوں کے پاس موجود نہیں تھے، جب کہ وہ دریا میں آزمائش کے لئے اپنے لوہے کے قلم تیرانے کے لئے ڈال رہے تھے، اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آئندہ آنے والے اُمتیوں کے حال سے واقف تھے تو پھر اللہ تعالیٰ نے مِنْ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُواْ عَلَى النِّفَاقِ لاَ تَعْلَمُهُمْ نَحنُ نَعْلَمُهُمْ (سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۱)

کیوں فرمایا ہے، یعنی مدینہ طیبہ کے منافقوں کے حالات آپ نہیں جانتے ہم جانتے ہیں۔

جواب (ا) ۔ آیت **مَا كُنتَ لَدَيْهِمْ** (سورہ آل عمران، آیت ۴۴) میں ظاہری اسباب علم کی نفی فرمائی گئی ہے، یعنی آپ کو ان حالات کا علم معجزہ کے طور پر عطا کیا گیا ہے اور حصول علم کا ظاہری ذریعہ وہاں موجود ہونا بھی ہو سکتا ہے، جو یہاں ندارد ہے، کیونکہ آپ ہزاروں سال بعد ظہور فرما رہے ہیں، تو ظاہر ہے کہ آپ اللہ تعالیٰ کے سچے پیغمبر ہیں اور آپ کے تمام علوم ماضیہ اور آیۃ معجزہ ہیں۔

تفسیر الصاوی علی الجلالین، مطبوعہ مصطفےٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۴۵ھ، جلد ۳، صفحہ ۱۸۲ پر ہے۔

" وهذا بالنظر للعالم الجسمانى لا قامة الحجة على الخصم واما بالنظر للعالم الروحانى فهو حاضر رسالة كل رسول وما وقع له من لدن آدم الى ان ظهر بجسمه الشريف ولكن لا يخاطب به اهل العناد"۔

یہ حکم کہ تم اس وقت ان لوگوں کے پاس تو نہیں تھے، عالم عناصر اور دنیائے آب و گل کے متعلق ہے، تاکہ معاندین اور منکرین پر حجت قائم ہو سکے، ورنہ عالم روحانی کے طور پر آپ ہر رسول کی رسالت کے وقت حاضر تھے، آدم علیہ السلام سے لے کر اپنے جسمانی ظہور شریف تک"۔

ورنہ اللہ تعالیٰ کا تمام انبیاء سے میثاق لینا **لتؤمنن به** (سورۃ آل عمران، آیت ۸۱) کہ تم اس کے ساتھ ضرور ایمان لاؤ گے، یہ **به** کا مرجع اگر کسی صورت میں موجود نہ تھا، تو یہ عہد بالکل بے معنی بنتا ہے اور **اوّل ما خلق الله نورى** کی حدیث بھی اس خیال کی مؤید ہے۔

اللہ تعالیٰ حضرت شیخ احمد المالکی الصاوی رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۲۴۱ھ) صاحب التفسیر کی روح پر فتوح پر رحمتوں کی بارش نازل فرمائیں، کتنی عمدہ بات آج سے کتنی مدت پہلے فرما گئے

ہیں کہ یہ مسئلہ اہل بغض وعناد کے سامنے نہ چھیڑنا، سچ ہے بھینس کے آگے بین بجانے اور اندھے کے سامنے روشنی کی تعریف کرنے سے تضیع اوقات کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، یہ خواص اہل علم کا مسئلہ ہے، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ظاہری وباطنی علوم ومعارف سے نوازا ہو، عشق ومحبت کی آگ سے تپش کا حصہ نصیب فرمایا ہو، عوام کے سامنے منابر پر اس کی وضاحت یا اسے میدان مناظرہ کے سپرد کرنا بالکل غلط ہے۔ (۲)

در راہِ عشق مرحلہ قرب و بعد نیست
مے بنیمت عیاں و دعامے فرستمت

جواب (۲)۔ آنحضرت ﷺ کے حاضر ناظر ہونے کا تعلق اُمت وسط یا اُمت دعوت کے ساتھ ہے، فرمایا وَیَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا (سورہ البقرہ، آیت ۱۴۳)، بعثت شریف سے قبل اُمم سابقہ کے ساتھ نہیں ہے، ورنہ اکثر آیات قرآنی جن کے ابتداء میں ''اذ'' کا لفظ مذکور ہے، وہاں جملہ مفسرین ''اُذکر'' مقدر نکالتے ہیں، جس کے معنی ہیں یاد کرو ، اور یاد دہانی اس کی کرائی جاتی ہے جس کے سامنے وہ واقعہ ہوا ہو، کیوں کیا خیال ہے جناب کا؟

باقی رہا منافقین کا حال نہ جاننے کا مسئلہ تو اللہ تعالیٰ نے آپ لوگوں کی مسرت وشادمانی کا خاتمہ لَتَعْرِفَنَّهُمْ فِي لَحْنِ الْقَوْلِ (سورہ محمد، آیت ۳۰) سے اچھی طرح اور عمدہ طریق سے فرمادیا ہے کہ اے محبوب تم ان منافقوں کو بات کرنے کے ڈھنگ اور خطاب کے روکھاپن سے ہی پہچان لیتے ہو، دراصل یہود ونصاریٰ کی طرح آنحضرت ﷺ کے فضائل وکمالات کا اخفاء ان لوگوں کو سخت مرغوب ہے، حالانکہ باب فضائل میں اگر دلائل نہ بھی ہوں تو بھی چنداں مضائقہ نہیں ہوتا، جیسا کہ علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ قصیدہ بُردہ میں فرماتے ہیں :

واحکم بما شئت مدحاً فیہ واحتکم

(اور جس قدر چاہے آپ کی مدح میں کہہ اور سُن)

سوال۔ شہادت کے معنی گواہ کے بھی ہوتے ہیں اور شہادت سمعی بھی ہوسکتی ہے، جیسا کہ آیت کے شانِ نزول سے معلوم ہورہا ہے۔

جواب۔ لیکن آپ ﷺ اپنی اُمت کا حال کس سے سن کر شہادت ادا فرمائیں گے ، کاش اِن کھوپڑیوں میں مغز ہوتا اور اس مغز میں سوچنے کی طاقت ہوتی " لَهُمْ قُلُوبٌ لَّا يَفْقَهُونَ بِهَا وَلَهُمْ أَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُونَ بِهَا وَلَهُمْ آذَانٌ لَّا يَسْمَعُونَ بِهَا "۔(سورہ اعراف، آیت۱۷۹)

اس سابقہ طویل بحث کا حقیقی خلاصہ صرف اتنا ہے کہ قرآن کریم میں شہید، شاهد ، رقیب کا اطلاق ذات خداوندی اور سرور عالم ﷺ اور اُمت وسط تینوں پر آیا ہے، معنی ایک ہی ہوگا، لیکن ہر ایک کا حضور و علم اشخاص و مراتب کے تفاوت سے ہوگا ۔

گر فرق مراتب نہ کنی زندیقی

تنبیہ

منکرین نے حدیث " ما کنت تقول فی هذا الرجل" پر سینکڑوں شواهد حوالہ جات صرف اس چیز کو ثابت کرنے کے لئے پیش کئے ہیں کہ هذا کا اطلاق حاضر فی الذہن پر بھی ہوسکتا ہے، بالکل بجا، سوفی صد درست، لیکن هذا موضوع ہے محسوس مبصر کے لئے اور کسی لفظ کو غیر موضوع لہٗ معنی میں استعمال کرنے کے لئے قوی قرینہ کی ضرورت ہے، جیسا کہ خود ان پیش کردہ عبارتوں سے ظاہر ہورہا ہے، حدیث شریف میں هذا کو حاضر فی الذہن میں استعمال کرنے کے لئے اور معنی موضوع لہٗ سے انحراف کرنے کے لئے بجز آپ کے زعم باطل کے اور تو کوئی قرینہ عبارت موجود نہیں۔

ثانیاً مومن کے لئے تو ممکن ہے کہ حاضر فی الذہن کے متعلق استفسار کرلیا جائے ، لیکن مصیبت یہ ہے کہ یہی سوال کفار سے بھی ہوتا ہے، کفار کے ذہن میں آپ کس طرح حاضر ہوتے ہیں؟ حالانکہ لاکھوں ہزاروں کفار ابھی تک غیر آباد اور غیر متمدن علاقوں میں بستے ہیں،

افریقہ کے جنگلوں میں بت پرست حبشی اور دُور افتادہ جزائر میں وحشی انسان موجود ہیں جو اسلام کے نام سے بھی نا آشنا ہیں، اُن سے حاضر فی الذہن کے طور پر کس طرح سوال کیا جا سکتا ہے۔

رہا شبیہ کا معاملہ یعنی آنحضرت ﷺ کی شبیہ مبارک عالم برزخ میں مومنین و کفار پر پیش کر کے سوال کیا جائے، جیسا کہ بعض محدثین نے نقل کیا ہے، تو وہ اس لئے غلط ہے کہ وہ شبیہ سرکار کا عین ہوگی یا غیر؟ اگر عین ہے تو پھر وہی محسوس مبصر والا پھندہ آپ کے نازک گلے میں پڑ جائے گا اور اگر غیر ہے تو پھر انکار پر اس شخص کو عذاب کیوں شروع ہو جاتا ہے؟ جیسا کہ احادیث عذاب قبر کے الفاظ میں صراحۃً مذکور ہے، اس شخص نے آنحضرت ﷺ کا انکار تو نہیں کیا، بلکہ صرف شبیہ کا انکار کیا ہے۔

سوال۔ بہت سی ایسی احادیث موجود ہیں جن میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم نے فلاں عورت یا فلاں صحابی کی وفات کی اطلاع مجھے کیوں نہیں دی، اگر آپ ہر جگہ حاضر ناظر تھے تو جنازہ پڑھنے کی کیا ضرورت تھی اور اس کے رہ جانے پر اظہار تأسف کیوں ؟

جواب۔ اولاً۔ تو یہ سوال احکام شرعی کی حقیقت سے بالکل ناواقفیت پر مبنی ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ خود بنفس نفیس ان افعال کی ملازمت تعلیم و تلقین فرماتے تھے، عوام آپ کے حضورِ روحانی یا علمی سے قطعاً واقف نہیں ہو سکتے تھے، جیسا کہ حدیث شریف (بخاری، حدیث ۳۳۷۳) میں موجود ہے کہ ایک دن آپ گھر سے تشریف لائے تو صحابہ کے دو گروہوں کے درمیان تیر اندازی کا مقابلہ ہو رہا تھا، آپ ایک گروہ کے پاس آ کر بیٹھ گئے، دوسرے گروہ نے مقابلہ بند کر دیا، آپ نے ان سے وجہ دریافت فرمائی، تو انہوں نے عرض کیا حضور آپ جب ان کے ساتھ ہیں تو ہم کس طرح کامیاب ہو سکتے ہیں، آپ نے فرمایا مقابلہ کرو **اَنَا مَعَ کُلِّکُمْ** یعنی میں تم سب کے ساتھ ہوں، اَب اس معیت کا علم اور **النبی اولی بالمومنین انفسھم** کا قرب عوام کو کس طرح سمجھایا جا سکتا ہے، اس کے ساتھ ایمان رکھنا فرض ہے اور کیفیت اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو معلوم ہے۔

ثانیاً۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے'' وَصَلِّ عَلَيْهِمْ إِنَّ صَلَاتَكَ سَكَنٌ لَّهُمْ '' (سورۃ التوبہ، آیت ۱۰۳) تم ان کے حق میں دعا فرمایا کرو، ان لوگوں کے دل آپ کی دعا سے مطمئن اور پرسکون ہو جاتے ہیں، اس کے برعکس قبر کا حضور تو ہر مومن کے آنی اور امتحانی ہے، دعاؤں اور نمازوں کے لئے نہیں ہوتا، تا کہ اس حضور سے جنازہ پڑھنے کی بھی کفایت ہو جاتی ہے، اسی لئے فرمایا '' ما کنت بین اظهر الا اذ نتمونی '' (عمدۃ القاری شرح بخاری، مطبوعہ دار الکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۱ھ، جلد ۴، ص ۳۴۰) یعنی جب تک میں تمہاری پیٹھ کے پیچھے موجود ہوں، ضرور مجھے اطلاع دیا کرو۔

قابل توجہ امر

یہ سب لے دے تو منکرین کے اُن سنگین دلائل کے بارے میں عرض کی گئی ہے، جو انہوں نے ایک کتابچہ میں پیش کر کے سدِّ سکندری کھڑی کی ہے، لیکن نہایت مختصر پر یہ عرض کرنا بھی لازم سمجھتا ہوں کہ ہم اہل سنت و جماعت اس لفظ'' حاضر و ناظر'' کے کیا معنی سمجھتے ہیں، اس مسئلہ کی تفصیلی وضاحت سے قبل میں اپنے حضرت قبلہ و کعبہ، شیخ الشیوخ، بحر العلوم والمعارف حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب قدس سرہٗ کا ایک مختصر خط جو صدہا کتب خانوں پر بھاری ہے اور کم از کم نصف صدی پہلے کا ہے، نقل کر دینا مناسب اور لازم سمجھتا ہوں، جو آپ کے مکتوبات شریف کے نئے ایڈیشن اور فتاویٰ شریف میں چھپ چکا ہے اور آستانہ عالیہ چشتیہ گولڑہ شریف سے بذریعہ ڈاک مل سکتا ہے، بمصداق کلام الملوک ملوک الکلام، ذرا تھوڑی دیر کے لئے غصہ تھوک دیجئے اور دل کو تعصب کی گرد سے جھاڑ لیجئے، پھر انصاف آپ کے ہاتھ میں ہے، فرماتے ہیں :

'' رہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بجسد العنصری ہر زمان و مکان میں حاضر و ناظر ہونا، تو یہ امر مختلف فیہ ہے، فقائل و منکر ولکل وجہۃ یعنی اس خیال کے بعض لوگ قائل ہیں اور بعض منکر، اور ہر ایک کے پاس دلائل ہیں، میرے خیال میں ظہور و

سریان حقیقت محمدیہ ہر عالم اور ہر مرتبہ اور ہر ذرہ میں عند المحققین من الصوفیہ ثابت ہے، اس کو حقیقت الحقائق کہتے اور لکھتے ہیں، فھو نورہٗ ﷺ، اوّلاً جو بصورت معنویہ تقی نقی اور جسد شریف عنصری کے ظاہر ہوا، یعنی آنحضرت ﷺ کا نور ہر ذرہ ہر مکان و ہر زمان ہر مرتبہ میں موجود تھا اور ہے، جس کا ظہور جسم اور قلب مبارک کی صورت میں صفحۂ ہستی پر نمودار ہوا، جو سب حقیقتوں کی حقیقت اصلیہ ہے اور تمام وجودوں کا منبع اوّلین ہے۔

۲۔ بصورت مثالیہ شریفہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام ہر زمان و مکان میں احادیث صحیحہ سے ثابت ہے، جس کا اقرار واقعی ظہور آنحضرت ﷺ کا اقرار اور اس کا انکار آپ کا انکار مانا گیا ہے، کمافی الحدیث البخاری کتاب الایمان، اہل تجربہ کو اس ظہور کذائی مثالی کا کراتاً مراتاً اتفاق ہوتا رہتا ہے، یعنی جاگنے میں ایک شخص آنحضرت ﷺ فداہ روحی کو اپنے سامنے جسمانی آنکھوں سے دیکھتا ہے اور اسے یقین ہوتا ہے کہ میں واقعی سرکار ابد قرار کی زیارت کر رہا ہوں، یہ بہت دفعہ اہل محبت اولیاء کرام کو زندگی میں بار بار ہوتا رہتا ہے، **اللھم اجعلنا منھم بحرمت حبیبک** ﷺ۔

۳۔ البتہ ظہور بجسدہ العنصری العینی کا پتہ بعض اہل مشاہدہ کے ہاں ملتا ہے اور بلحاظ واقعہ معراج شریف وخصائص ولوازم مختصہ جسم شریف علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مستبعد بھی نہیں۔

(مکتوبات طیبات، صفحہ ۲۷۹، فتاویٰ مہریہ، مطبوعہ گولڑہ شریف ۱۴۳۱ھ، صفحہ ۶)

یعنی شب معراج میں انبیاء کا قبروں میں موجود ہونا اور مسجد اقصیٰ آنحضرت ﷺ کی اقتداء میں بھی کھڑا ہونا اور پھر آسمانوں پر آپ کے تشریف لے جانے سے قبل موجود ہونا، خود آنحضرت ﷺ کی یہ سیر جس کے لئے نہ وقت تھا نہ زمان تھا، گو لیلاً فرمایا گیا ہے، لیکن بستر

مبارک کی گرمی بھی زائل نہ ہوئی تھی، ایمان والوں کو لئے تو بالکل بعید نہیں، ہاں عقل والوں کی کشتی کسی کنارے نہیں پہنچتی، کیونکہ بقول مولانا روم ؎

پائے استدلالیاں چوبیں بود　　　پائے چوبیں سخت بے تمکین بود

کہنے کو تو یہ چند سطریں ہیں، لیکن مسئلہ زیر بحث کے ابواب وفصول آغاز وانجام کے دریائے ناپیدا کنار کو کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔

گویا آنحضرت ﷺ کا حضور وظہور کئی قسم کا ہے، اوّلاً حضور حقیقت محمدیہ جسے مولوی صدیق حسن خاں بھوپالی غیر مقلد نے ''مسک الختام شرح بلوغ المرام'' مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۸ھ، صفحہ ۲۴۴ میں ان الفاظ سے ذکر فرمایا ہے۔

'' نیز آنحضرت ہمیشہ نصب العین مومناں وقرۃ العین عابداں است در جمیع احوال واوقات، خصوصاً در حالت عبادات کہ نورانیت وانکشاف دریں محل بیشتر و قوی تر است وبعضے از عرفا گفتہ اند، ایں خطاب بجہت سریان حقیقت محمدیہ علیہ التحیۃ والتسلیم در ذرائر موجودات وافراد ممکنات پس آنحضرت ﷺ در ذوات مصلیان موجود وحاضر است پس مصلی باید کہ ازیں معنی آگاہ باشد وازیں شہود غافل نبود''۔

یعنی آنحضرت ﷺ کی ذات والا صفات ایمان والوں کے لئے ہمیشہ نصب العین کا درجہ رکھتے ہیں اور عبادت کرنے والوں کی آنکھوں کی ٹھنڈک ہیں، ہر وقت ہر حالت میں خصوصاً عبادت کے وقت کیونکہ اس وقت نورانیت اور انکشاف بہت زیادہ ہوتا ہے اور بعض عارفوں نے کہا ہے کہ یہ اس خطاب کا حکم یعنی السلام علیک ایھا النبی نماز اور تشہد میں پڑھنا اس لئے لازم قرار دیا گیا ہے کہ حقیقت محمدیہ صلوٰۃ اللہ علیہ موجودات کے ہر ذرہ میں اور ممکنات کے ہر فرد میں جاری وساری ہے، لہذا آنحضرت ﷺ اس ظہور کے طور پر تمام ایمان

والوں کی ذاتوں میں موجود و حاضر ہیں، اور نمازی اور عابد کو چاہئے کہ آنحضرت ﷺ کے اس حضور و ظہور سے غافل نہ رہے اور اس معنی سے باخبر ہو۔

اس مسئلہ کو اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ میں بھی شیخ عبدالحق محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ان الفاظ کے ساتھ یاد فرمایا ہے کہ

''آنحضرت در ذوات مصلیان موجود و حاضر است''

(مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۱۸۷۳ء، جلد ۱، صفحہ ۳۵۷)

بعض کم عقل، شیخ رحمۃ اللہ علیہ کی اس عبارت پر منہ بنا کر کہہ دیتے ہیں کہ شیخ نے تو بعض عرفا کا قول نقل کیا ہے، اپنا عقیدہ یا اجتماعی مسئلہ ذکر نہیں کیا،، سبحان اللہ، بریں عقل و دانش بباید گریست۔

شیخ تو اپنے سابقہ عقیدہ کو پختہ اور مبرہن ثابت کرنے کے لئے اہل عرفان کا حوالہ دے کر مشاہدہ اور تجربہ کا ثبوت بہم پہنچانا چاہتے ہیں، اگر مطلقاً کسی بعض کا ذکر کیا ہوتا تو ایک بات بھی تھی، یہاں تو اصحاب معرفت کے قول کو تائیداً پیش کیا جا رہا ہے، صرف کٹ ملاؤں اور زاغ صفت لفاظوں کا نام نہیں لیا، اور یہ وہ حضرت شیخ ہیں جو ملک ہندوستان میں رہنے والوں کو حضور ﷺ کی حدیث سے سب سے پہلے روشناس کرانے والوں میں سے ہیں، جن کے متعلق امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، اس غربت اسلام کے زمانہ میں آپ کا وجود شریف اہل اسلام کے لئے غنیمت ہے۔

(مکتوبات امام ربانی، دفتر دوم، مکتوب ۲۹)

السلام علیک کا کاف خطاب باتفاق نحاۃ بلا تاویل حاضر کے لئے نص ہے، ہاں اس حضور کے مشاہدہ کے لئے منکرین کی آنکھ بالکل بے بصر اور بے نور ہے، اور نور کو نور ہی سے دیکھا جا سکتا ہے، نہ دیکھ سکنا یہ ہماری آنکھ کا قصور ہے نہ کہ حضور ﷺ کے نور جمال جہاں تاب کا۔

اس خطاب کا انشاء تمام مسلمانوں پر نماز میں لازم ہے نہ کہ حکایت کے طور پر ان الفاظ کا دُہرانا، درالمختار، صفحہ ۷۷، باب صفۃ الصلوٰۃ میں ہے۔

"و یقصد بالفاظ التشهد معاینها مرادة له علی وجه الانشاء لا الاخبار عن ذالك ذكره فی المجتبی"۔ (الدرالمختار، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۲۳ھ، صفحہ ۷۰)

"یعنی تشہد میں اس خطاب کے معنی پر نظر رکھے اور قصداً سلام عرض کرے، خبر اور حکایت کے طور پر نہیں"۔

مواہب اللدنیہ، صفحہ ۳۸۹، جلد ۲ میں ہے :

" ولا ریب ان حاله فی البرزخ افضل واكمل من حال الملائكة هذا و سيدنا عزرائيل عليه السلام يقبض مائة الف روح فی وقت واحد ولا يشغله قبض عن قبض ، و هو مع ذلك مشغول بعبادة الله تعالیٰ ، مقبل علی التسبيح والتصديق "۔

(مواہب اللدنیہ، مطبوعہ المکتب الاسلامی بیروت ۱۴۱۲ھ، جز۴، ص ۵۸۶)

یعنی آنحضرت ﷺ کا حال عالم برزخ میں فرشتوں سے زیادہ اکمل ہے (یعنی لاکھوں مرنے والوں کے سامنے آنا اور کروڑوں صلوٰۃ وسلام بھیجنے والوں کی طرف متوجہ ہونا کوئی مشکل بات نہیں) حضرت عزرائیل علیہ السلام لاکھوں انسانوں کی روح ایک آن میں قبض فرماتے ہیں اور انہیں یہ عمل اللہ تعالیٰ کی عبادت تسبیح وتحلیل سے باز نہیں رکھتا۔

اس حضور وظہور سے صورت مثالیہ برزخیہ کا ظہور ہے اور یہی حضور حدیث میں مذکور ہے، فرمایا "كما انظر الی كفی هذه" (کنزالعمال، جز ۱۱، حدیث ۳۱۹۷۱)، (۳) یہ انظر جملہ اسمیہ ہے، معدولہ عن الجملۃ الفعلیہ جو نص ہے دوام پر، کیونکہ سباق حدیث چاہتا تھا

کہ یہاں **فنظرت الیها** فرماتے، لیکن اس کی بجائے آپ نے **انظر الیها** فرمایا۔

بعض جہال کہتے ہیں کہ ہمیں ہتھیلی سامنے ہونے کے باوجود اس کے باریک خطوط اور لکریں نظر نہیں آتیں، اسی طرح آنحضرت ﷺ کو بھی تمام کائنات نظر کے سامنے ہوتے ہوئے تمام اشخاص دکھائی نہ دیتے ہوں، العیاذ باللہ

معلوم ہونا چاہیئے کہ تمام بیماریوں کا اصل اور سب گندگیوں کی جڑ یہی شیطانی وسوسہ ہے کہ **ان انتم الا بشر مثلنا** (سورہ ابراہیم، آیت ۱۰) یعنی آنحضرت ﷺ کی نظر رحمت کو اپنی بے نور اور شب پرہ صفت پھٹے ہوئے دیدوں پر قیاس کرنا، یہی کفر صریح ہے، اور ہمیشہ ہر زمان میں کفار کا نظریہ رہا ہے، جس کا قرآن شاہد ہے۔

یہ چند باتیں لکھی ہیں، دیدۂ بینا اور قلبِ آشنا کے لئے ایک دلیل بھی کافی ہے اور بے انصاف کور باطن کے لئے دلائل کے انبار بھی ناکافی ہیں۔

وما توفیقی الا باللہ و الیه المشتکی وبه المستعان و صلی اللہ علی حبیبه و نور عرشه و ضیاء فرشه الف الف تحیة وسلام۔

اند کے پیش تو گفتم غم دل ترسیدم
کہ دل آزردہ شوی ورنہ سخن بسیار است

(ہفت روزہ ''محبوب حق''، لائل پور، شمارہ ۱۴ر فروری ۱۹۶۴ء، صفحہ ۵ تا ۸)

حواشی

(۱)۔ تبرید النواظر از مولوی سرفراز گکھڑوی

(۲)۔ امام احمد الصاوی المالکی علیہ الرحمہ سے بغض

اولیاء اللہ سے بغض رکھنے والے بعض لوگوں کو عارف باللہ امام احمد الصاوی المالکی الخلوتی رحمہ اللہ علیہ (مصر) متوفی ۱۲۴۱ھ، مدفون جنت البقیع مدینہ منورہ کے عقائد اور آپ کی تصانیف پسند نہیں، یہ لوگ آپ کا نام سنتے ہی اور آپ کی تالیفات کی عبارت دیکھتے ہی بدک جاتے ہی، دو مثالیں درج ذیل ہیں۔

(۱)۔ اہل سنت کے عالم باعمل مولانا صوفی اللہ دتہ لاہوری رحمۃ اللہ علیہ (متوفی ۱۹۸۵ء) اپنی کتاب ''تنویر الخواطر تحقیق الحاضر والناظر'' مطبوعہ لاہور ۱۳۹۴ھ کے صفحہ ۶۰ پر لکھتے ہیں:

''قرآن کریم کی جن آیات یا بعض احادیث سے جو غیر حاضر ناظر مفہوم ہوتا ہے، (یعنی بعض قرآنی آیات میں ہے کہ اے نبی آپ اُس جگہ نہیں تھے) اس کے بارے میں عارف صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

(ترجمہ) '' یہ عدم موجودگی جسمانی عالم کے اعتبار سے ہے تا کہ مخالف پر حجت قائم کی جائے، مگر باعتبار عالم روحانی پس آپ پر رسول کی رسالت اور جو کچھ اس کے ساتھ وقوع میں آیا، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر جسم شریف کے ظاہر ہونے تک آپ سب پر حاضر ہیں لیکن اہل عناد سے اس طریق پر خطاب نہیں کیا جاتا''۔

(تفسیر صاوی، مطبوعہ مصر ۱۳۴۵ھ، جلد ۳، صفحہ ۱۸۲)

اس عبارت کے جواب میں دیوبندی مکتبہ فکر کے ایک مولوی سرفراز خاں صفدر (گوجرانوالہ) اپنی کتاب ''تفریح الخواطر فی ردّ تنویر الخواطر'' مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۴۱۳ھ طبع دوم کے صفحہ ۱۲۲ پر لکھتے ہیں:

''بالکل جدید اور غیر معتبر مفسر صاوی کی کون مانتا ہے، یہاں ساوی اور نیلی پیلی اور ہری کی کچھ نہیں چلتی، ایسے غیر مستند اقوال آپ کو اور آپ کی جماعت کو مبارک ہوں''۔

(۲) حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی بدایونی رحمۃ اللہ علیہ گجرات، پنجاب (متوفی ۱۹۷۱ء) اپنی شہرہ

آفاق کتاب ''جاءالحق''مطبوعہ گجرات، پاکستان، سن طباعت ندارد، صفحہ ۲۱۲ پر لکھتے ہیں :

''تفسیر صاوی آخر سورہ قصص **ولا تدع مع اللہ الہاًاخر** کی تفسیر میں ہے :

(ترجمہ) یعنی یہاں **لا تدع** کے معنی ہیں نہ پوجو، لہٰذا اس آیت میں ان خارجیوں کی دلیل نہیں جو کہتے ہیں

کہ غیر خدا سے خواہ زندہ ہو یا مردہ، کچھ مانگنا شرک ہے، خارجیوں کی یہ بکواس جہالت ہے کیونکہ غیر خدا سے مانگنا اس طرح کہ رب ان کے ذریعہ سے نفع نقصان دے، کبھی واجب ہوتا ہے کہ یہ طلب اسباب کا حاصل کرنا ہے اور اسباب کا انکار نہ کرے گا مگر منکر یا جاہل''۔

اس عبارت کے جواب میں مولوی سرفراز خاں صفدرؔ (گوجرانوالہ) اپنی کتاب ''گلدستہ توحید''مطبوعہ گوجرانوالہ ۱۹۹۴ء کے صفحہ ۱۱۵ پر لکھتے ہیں :

''مگر مفتی صاحب یہ بتانے کی مطلقاً زحمت گوارا نہیں کرتے کہ صاوی والا تیرھویں صدی کا غیر معتبر اور رطب و یابس اقوال جمع کرنے والا ایک نیم شیعہ مفسر ہے''۔

مولوی سرفراز خاں صفدر دیوبندی نے حضرات انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام کے فضائل ومناقب سے جل بھن کر جو کچھ لکھا ہے اور جواب میں حضرت عارف باللہ امام احمد بن محمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے بارے میں دلی بغض وعناد کا اظہار کیا، خوف خدا سے عاری ہو کر بغیر دلیل کے اہل سنت کے امام احمد صاوی مالکی رحمۃ اللہ علیہ کو نیم شیعہ کہا اور امام صاوی علیہ الرحمہ کے نام کا کس طرح مذاق اُڑایا ہے، وہ قارئین کے سامنے ہے، سرائیکی اور پنجابی زبان میں لفظ ''ساوی'' کا معنی ہری (سبز) ہوتا ہے، مولوی سرفراز صاحب نے غصہ میں عقل سے فارغ ہو کر حرف ''ص'' والے لفظ صاوی کو حرف ''س'' والے لفظ سے ملا دیا اور لکھا کہ ''یہاں ساوی پیلی نیلی اور ہری کی کچھ نہیں چلتی'' حالانکہ لفظ صاوی مصر کے ایک قصبہ ''**صاء الحجر**'' کی نسبت سے ہے، اگر دو سو سال پہلے کے امام احمد صاوی رحمۃ اللہ علیہ غیر معتبر اور جدید مفسر ہیں اور ان کی معقول بات نہیں مانی جاسکتی تو پندرھویں صدی کے مولوی سرفراز صاحب ان سے بھی زیادہ جدید مولوی ہیں، تو ایسے جدید اور غیر معتبر مولوی کی بات کون مانتا ہے؟

اب آیئے مولوی سرفراز دیوبندی کے گھر سے ہی امام احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے معتبر ہونے کی گواہی ملاحظہ فرمایئے :

مشہور گستاخ دیوبندی مولوی غلام اللہ خاں، راولپنڈی (متوفی ۱۹۸۰ء) نے اپنی تائید میں تفسیر

صاوی کا حوالہ نقل کرتے ہوئے لکھا :

'' مفسر صاوی لکھتے ہیں''۔

(جواہر التوحید، ترتیب سجاد بخاری، مطبوعہ راولپنڈی، ص ۳۲۰)

قاضی محمد زاہد الحسینی خلیفہ مولوی حسین احمد دیو بندی کانگریسی نے اپنی کتاب ''تذکرۃ المفسرین'' میں امام احمد صاوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور ان کی تفسیر صاوی کا تعارف لکھا۔

(تذکرۃ المفسرین'' مطبوعہ اٹک ۱۴۰۱ھ، صفحہ ۱۷۸)

دیو بندی مکتبہ فکر مدرسہ خیر المدارس ملتان کے مفتی عبد الستار نے ایک سوال کے جواب میں اپنی تائید میں تفسیر صاوی کی عبارت نقل کی اور عبارت کے شروع میں لکھا کہ :

''علامہ صاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں''۔

(خیر الفتاویٰ، مرتبہ مفتی محمد انور، مطبوعہ مکتبہ الخیر، جامعہ خیر المدارس، ملتان ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۷ء، ص ۴۵۹)

مولوی دوست محمد قریشی دیو بندی، کوٹ اڈو، ضلع مظفر گڑھ (متوفی ۱۹۷۴ء) نے بھی اپنی کتاب ''عظمت صحابہ'' میں تفسیر صاوی مطبوعہ مصر کا حوالہ دے کر اپنی تائید میں استدلال کیا۔

(عظمت صحابہ، مطبوعہ مکتبہ اہل سنت احمد پور شرقیہ ضلع بہاول پور، ص ۲۴)

(۳)۔ ''ان اللہ قد رفع لی الدنیا فانا انظر الیھا والی ما ھو کان کانما انظر الی کفیٰ ھذاالی یوم القیامۃ''

اس حدیث کو ابو نعیم بن حماد اور طبرانی دونوں نے سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے، جو لوگ اس روایت کو ضعیف کہتے ہیں، اِن کے لئے عرض ہے کہ کنز العمال میں ''وسندہ ضعیف'' کا جو جملہ ہے وہ ابو نعیم کی روایت کے ساتھ ہے اور اسی سے متعلق ہے، پوری عبارت یہ ہے'' **نعیم بن حماد فی الفتن ۔ عن ابن عمر ، و سند ہ ضعیف''**

(کنز العمال، حدیث ۳۱۸۱۰، الجز ۱۱، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، ص ۳۷۸)

لیکن حافظ علی متقی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی جلد ۱۱ میں جو روایت طبرانی سے نقل کی ہے، اس حدیث کے بعد (طب، حل۔ ابن عمر) لکھ کر ضعیف سند کا ذکر نہیں کیا،

(کنز العمال، حدیث ۳۱۹۷۱، الجز ۱۱، مطبوعہ موسسۃ الرسالۃ بیروت ۱۴۰۵ھ/ ۱۹۸۵ء، ص ۴۲۰ (طب،

حل۔ابن عمر)

اگراس حدیث کی دونوں روایتوں میں فرق نہ ہوتا تو حافظ علی متقی ایک ہی جگہ ابونعیم اور طبرانی کا حوالہ دے کر ''وسندہ ضعیف'' کہہ دیتے تا کہ دونوں روایتوں کا ضعف معلوم ہو جاتا ،لیکن انہوں نے ایسا نہیں کیا، بلکہ صفحہ ۳۷۸ پر صرف ابونعیم کی روایت کی اوراس کے ساتھ ''وسندہ ضعیف'' لکھا،اور صفحہ ۴۲۰ پر طبرانی کا حوالہ مزید لکھا اور وہاں ''وسندہ ضعیف''نہیں لکھا تا کہ معلوم ہو جائے کہ ضعف ابونعیم کی روایت کے ساتھ خاص ہے،طبرانی کی روایت ضعیف نہیں بلکہ وہ صحیح ہے۔

حافظ ابونعیم احمد بن عبداللہ اصفہانی (المتوفی ۴۳۰ھ)،حلیۃ الاولیاء، الجزالسادس،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت(لبنان) ۱۴۰۹ھ/۱۹۸۸ء،صفحہ ۱۰۱

امام احمد بن محمد قسطلانی (المتوفی ۹۲۳ھ)، المواھب اللدنیہ،الجزالثالث،مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت(لبنان)۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء،صفحہ ۹۵

شرح الزرقانی علی المواھب اللدنیہ ، الجز العاشر ، مطبوعہ دارالکتب العلمیہ بیروت ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء،صفحہ ۱۲۳

اس کے علاوہ

حافظ نورالدین الھیثمی (المتوفی ۸۰۲ھ) نے مجمع الزوائد،جلد ۸،مطبوعہ دارالکتب العربی بیروت، صفحہ ۲۸۷

حافظ جلال الدین سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ) نے جمع الجوامع میں نقل کیا،جلد ثانی،مطبوعہ دارالسعادۃ الازھر مصر ۱۴۲۶ھ/۲۰۰۵ء، حدیث ۴۸۵۳،صفحہ ۱۷۶

اگر کوئی کہے کہ اس حدیث کو ضعیف بھی کہا گیا ہے تو عرض ہے کہ ضعیف حدیث بھی تو حدیث ہی ہوتی ہے،موضوع یعنی گھڑی ہوئی نہ ہو،تو ضعیف حدیث پر بھی فضائل میں عمل کیا جا سکتا ہے۔

(ضعیف حدیث اور علمائے دیوبند)

مولوی اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں!

''ایک مرتبہ مولانا رشید احمد گنگوھی نے حاضرین مجلس سے فرمایا کہ مولانا محمد قاسم کو گلاب سے زیادہ محبت تھی، جانتے بھی ہو کیوں تھی ، ایک صاحب نے عرض کیا کہ ایک حدیث

ضعیف میں آیا ہے کہ گلاب جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عرق (پسینے) سے بنا ہوا ہے، فرمایا ہاں، اگر چہ حدیث ضعیف ہے مگر ہے تو حدیث"۔

(تھانوی، اشرف علی تھانوی، ارواح ثلثہ: لاہور، اسلامی اکادمی، ۱۹۷۶ء، ص ۲۹۰ (حکایت نمبر ۲۸۶)

مولوی اشرف علی تھانوی کہتے ہیں!

"روایات ضعیفہ کے لئے فضائل اعمال میں گنجائش ہے"۔

(الافاضات الیومیہ من افادات القومیہ (حصہ ہفتم جز ثانی): تھانہ بھون، تالیفات اشرفیہ، ص ۴۵۵ (ملفوظ نمبر ۵۵۵)

مولانا رشید احمد گنگوہی (۱۲۴۴۔۱۳۲۳ھ/۱۸۲۹۔۱۹۰۵ء) اور مفتی محمد شفیع دیوبندی (۱۳۱۴۔۱۳۹۶ھ/۱۸۹۷۔۱۹۷۶ء) لکھتے ہیں!

"علماء کا اتفاق ہے کہ ضعیف حدیث فضائل اعمال میں قابل قبول ہے"۔

(الف: رشید احمد گنگوہی کے درس حدیث کے افادات پر مشتمل، لامع الداری شرح بخاری: ص ۱۵۴)

(ب: محمد شفیع، مفتی، تاریخ اسلام مع جوامع الکلم: ملتان، مکتبہ امدادیہ، س ن، ص ۳۹۶)

مولوی محمد زکریا سہارنپوری (سابق امیر تبلیغی جماعت ومؤلف تبلیغی نصاب وفضائل اعمال) (۱۳۱۵۔۱۴۰۲ھ/۱۸۹۸۔۱۹۸۲ء) ضعیف حدیث کے متعلق لکھتے ہیں!

"فضائل اعمال میں محدثین نے ایسی روایات کو جائز قرار دیا ہے"۔

(سہارنپوری، مولوی محمد زکریا، کتب فضائل پر اشکالات اور ان کے جوابات، مطبوعہ مکتبہ دینیات رائے ونڈ، س ن، ص ۱۳۳)

مولوی سرفراز خاں صفدر لکھتے ہیں!

"محدثین کرام کے ہاں یہ طے شدہ بات ہے کہ عقیدہ کے باب میں خبر واحد صحیح بھی معتبر نہیں، اور حلال وحرام اور طلاق ونکاح وغیرہ کے سلسلہ میں صحیح یا حسن خبر ہی قابل احتجاج ہوسکتی ہے، باقی جواز واستحباب کے لئے ضعیف حدیث بھی قابل عمل ہے، چنانچہ امام نووی لکھتے ہیں کہ "وقال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم یجوز ویستحب

العمل فی الفضائل والرغیب والرھیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعا، الخ"(کتاب الاذکار،صفحہ۷،طبع مصر) ترجمہ۔علماء محدثین اور فقہاء وغیرھم یہ فرماتے ہیں کہ فضائل اور ترغیب وترہیب میں ضعیف حدیث کے ساتھ عمل جائز اور مستحب ہے بشرطیکہ موضوع نہ ہو"۔

(مولوی سرفراز خاں صفدر، تسکین الصدور، ناشر مکتبہ صفدریہ گوجرانوالہ ۱۹۸۶ء، ص ۳۶۸)

مدرسہ خیرالمدارس (ملتان) کے مفتیوں کا فتویٰ!

"فضائل کے باب میں ضعیف حدیث سے استدلال ہوسکتا ہے"۔

(مولوی خیر محمد جالندھری، خیرالفتاویٰ، مرتبہ مفتی محمد انور، جلد۱، مطبوعہ مکتبہ امدادیہ ملتان ۱۹۸۷ء، ص۲۷۹)

(ضعیف حدیث اور غیر مقلدین)

غیر مقلدین وہابی کہا کرتے ہیں کہ ضعیف حدیث تو معتبر ہی نہیں ہوتی اور اہل سنت کو طعنہ دیا کرتے ہیں کہ یہ تو بس ضعیف حدیثوں کو مانتے ہیں، ان کا سارا عقیدہ ہی ضعیف ہے۔

ان جاہلوں کو اتنا شعور نہیں کہ عقیدہ کیا چیز ہے اور عمل کسے کہتے ہیں، الحمدللہ اہل سنت وجماعت کے عقائد قطعیہ واصولیہ، آیات قرآنیہ، احادیث صحیحہ اور تامل صحابہ سے ثابت ہیں، باقی رہ گیا فروعی معاملات اور فضائل ومسائل کا معاملہ تو اس بارے میں صرف اہل سنت ہی نہیں غیر مقلدین وہابی بھی ضعیف احادیث پر عمل پیرا ہیں مثلاً مولوی ثناء اللہ امرتسری غیر مقلد (۱۲۸۵۔۱۳۶۷ھ/۱۸۶۸۔۱۹۴۸ء) سے سوال کیا گیا کہ!

"ضعیف حدیث کا معنی کیا ہے، ضعیف حدیث پر عمل کرنا جائز ہے یا نہیں"۔ جواب میں کہتے ہیں!

"ضعیف کے معنی ہیں جس میں صحیح کی شرائط نہ پائی جائیں، وہ کئی قسم کی ہوتی ہے، اگر اس کے مقابل میں صحیح نہیں تو اس پر عمل کرنا جائز ہے، جیسے نماز کے شروع میں **سبحانک اللھم** الخ پڑھنے والی حدیث ضعیف ہے مگر عمل ساری امت کرتی ہے"۔

(مولوی ثناء اللہ امرتسری، فتاویٰ ثنائیہ، باب ہفتم مسائل متفرقہ، جلد۲، مطبوعہ ادارہ ترجمان السنۃ لاہور، ص۷۶)

اسی فتاویٰ میں موجود ہے!

''بعض ضعیف احادیث کی رو سے تکبیرات جنازہ کے ساتھ رفع یدین کرنا جائز ہے''۔

(مولوی ثناء اللہ امرتسری، فتاویٰ ثنائیہ، باب ہفتم مسائل متفرقہ، جلد۲، مطبوعہ ادارہ ترجمان السنۃ لاہور، ص۵۰)

مولوی نذیر حسین دہلوی غیر مقلد (م۔۱۳۲۰ھ/۱۹۰۲ء) کہتے ہیں کہ ضعیف حدیث قابل عمل ہوتی ہے اور یہ کہ ضعیف حدیث کو موضوع نہیں کہنا چاہئے، چنانچہ لکھتے ہیں کہ!

''دوسری روایت میں ہے کہ حضرت فاطمہ کے نکاح کے موقع پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بلال کو حکم دیا، انہوں نے چار پانچ مد کا کھانا تیار کیا، اور ایک اونٹ ذبح کیا گیا، ولیمہ ہوا، پھر لوگ جماعت جماعت ہو کر کھانے کے لئے آنے لگے، جب سب کھا چکے تو پھر بھی کھانا بچ گیا، آپ نے وہ کھانا اپنی بیویوں کے پاس بھجوا دیا، اور فرمایا خود بھی کھاؤ اور جس کو چاہو کھلاؤ۔ پہلی حدیث کی سند میں جابر جعفی ضعیف ہے اور شیعہ ہے اور (اس) دوسری حدیث کی سند بھی ضعیف ہے لیکن بہر حال یہ دونوں حدیثیں موضوع نہیں ہیں اور ان سے یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ دلہن یا دلہن کے لواحقین کی طرف سے کھانا کھلایا جا سکتا ہے اور اس کا نام بھی دعوت ولیمہ یا دعوت عروس ہے''۔

(مولوی نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ، جلد۳، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی ۱۹۷۱ء، ص۵)

دوسری جگہ ایک حدیث کے متعلق لکھتے ہیں!

''اے اللہ مجھ کو مسکینی کی حالت میں زندہ رکھ'' الحدیث، اس کو ترمذی نے انس سے روایت کیا ہے اور اس کی سند ضعیف ہے اور ابن ماجہ نے ابوسعید سے روایت کیا ہے اور اس کی سند بھی ضعیف ہے، مستدرک حاکم میں اس کے اور بھی طرق ہیں اور بیہقی نے اس کو عبادہ بن صامت سے روایت کیا ہے اور ابن جوزی نے زیادتی کی جو اس کو موضوع لکھ دیا''۔

(مولوی نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ، جلد۱، کتاب العلم، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی ۱۹۷۱ء، ص۳۰۵)

مولوی ابو عبد السلام عبد الرؤف بن عبد الحنان (غیر مقلد) لکھتے ہیں!

''حضرت بلال کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ **اذا اذ نت فترسل و اذا اقمت فاحدر** یعنی اذان ٹھہر ٹھہر کر اور اقامت جلد کہا کرو، ترمذی، عقیلی، طبرانی، ابن عدی، بیہقی کے علاوہ دیگر محدثین نے بھی اسے بیان کیا ہے، تاہم یہ حدیث بالکل ضعیف ہے، اسے ابن حجر، ذہبی، عراقی، ترمذی، بیہقی، دارقطنی وغیرہ آئمہ نقاد نے نہایت ضعیف قرار دیا ہے''۔

(عبدالرؤف، مولوی ابوعبدالسلام، القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول: سندھو بلوکی (ضلع قصور) دارالاشاعت اشرفیہ، ۱۹۹۷ء، ص ۲۹۰)

ضعیف ہونے کے باوجود اس حدیث پر ساری امت وھابیہ عمل کر رہی ہے۔

تکبیر میں ''**قد قامت الصلوٰۃ**'' کے جواب میں'' **اقا مھا اللہ و ادامھا** '' کہنا، اس حدیث کے متعلق مولوی عبدالرؤف غیر مقلد لکھتا ہے کہ یہ ضعیف ہے۔

(عبدالرؤف، مولوی ابوعبدالسلام، القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول: سندھو بلوکی (ضلع قصور) دارالاشاعت اشرفیہ، ۱۹۹۷ء، ص ۲۹۸)

نماز میں ہاتھ سینے پر باندھنے کی حدیث ضعیف ہے۔

(عبدالرؤف، مولوی ابوعبدالسلام، القول المقبول فی تخریج وتعلیق صلوٰۃ الرسول: سندھو بلوکی (ضلع قصور) دارالاشاعت اشرفیہ، ۱۹۹۷ء، ص ۳۴۲)

تمام غیر مقلد وھابی اس ضعیف حدیث پر سختی سے عمل کر رہے ہیں۔

نواب صدیق حسن خاں قنوجی غیر مقلد (۱۳۰۷ھ/۱۸۹۰ء) لکھتے ہیں!

''حدیث ضعیف کہ بتعدد طرق بمرتبہ حسن رسیدہ نیز محتج بہ است خصوصاً در فضائل اعمال''

''ضعیف حدیث متعدد طرق سے روایت ہونے پر مرتبہ درجہ حسن تک پہنچ جاتی ہے، اس سے استدلال جائز ہے خصوصاً فضائل اعمال میں''۔

(مسک الختام شرح بلوغ المرام، جلد ۱، مطبوعہ مطبع نظامی کانپور ۱۲۸۹ھ، ص ۱۴)

مولوی نذیر حسین دہلوی غیر مقلد اپنے فتویٰ میں لکھتے ہیں!

''ضعیف حدیث فضائل میں مقبول ہے اور اس کو موضوع نہیں کہنا چاہئے''۔

(مولوی نذیر حسین دہلوی، فتاویٰ نذیریہ، کتاب العلم، جلد ۱، مطبوعہ اہل حدیث اکادمی ۱۹۷۱ء،

ص۳۰۲)

مولوی عبداللہ روپڑی غیر مقلد لکھتے ہیں!

''فضائل اعمال میں ضعیف بھی معتبر ہے''۔

(مولوی عبداللہ روپڑی، فتاویٰ اہل حدیث، مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا ۱۹۷۴ء، ص ۴۷۳)

مولوی عبداللہ روپڑی (متوفی ۱۹۶۴ء) سے کسی نے سوال کیا کہ شب برأت کے روزے والی حدیث ضعیف ہے، کیا روزہ رکھنا درست ہے؟۔

مولوی صاحب جواب میں لکھتے ہیں!

'' شبرات کا روزہ رکھنا افضل ہے چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث موجود ہے، اگرچہ حدیث ضعیف ہے لیکن فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل درست ہے۔عبداللہ امرتسری روپڑی۔۶/ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ ''

مولوی عبداللہ روپڑی، فتاویٰ اہل حدیث، جلد ۲، مطبوعہ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ سرگودھا ۱۹۷۴ء، ص ۵۵۴)

مولوی عبدالغفور اثری غیر مقلد، ضعیف حدیث پر عمل کے بارے میں امام سخاوی علیہ الرحمہ کی عبارت نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں!

''بعض محدثین کرام کے طریقہ کے مطابق ضعیف روایت باالخصوص جب کہ وہ متعدد طرق سے نقل کی جائے، فضائل اعمال اور ترغیب وترہیب میں قابل عمل ہوتی ہے جیسا کہ علامہ سخاوی رقمطراز ہیں :

''قال شیخ الاسلام ابو زکریا النووی رحمه الله فی الاذکار ، قال العلماء من المحدثین والفقهاء وغیرهم :یجوز ویستحب العمل فی الفضائل و الترغیب والترهیب بالحدیث الضعیف مالم یکن موضوعاً'' (القول البدیع ص ۲۵۸)''۔

(مولوی عبدالغفور اثری، احسن الکلام، ناشر اہل حدیث یوتھ فورس سیالکوٹ ۱۹۹۵ء، ص ۴۳،۴۴)

مولوی عبدالغفور اثری نے جو اپنا من گھڑت فیصلہ دیا ہے کہ'' بعض محدثین'' کے طریقہ کے

مطابق ضعیف روایت قابل عمل ہوتی ہے، تو اس کی کوئی حیثیت نہیں، مولوی صاحب کو چاہیئے تھا کہ اُن بعض محدثین کے نام لکھتے، امام سخاوی علیہ الرحمہ نے ''بعض محدثین'' نہیں کہا، فضائل و مناقب میں بالاتفاق علماء ضعیف حدیث بھی کافی ہے، ان لوگوں کا آخرت پر ایمان نہیں اگر حشر کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینے کا ڈر خوف ہوتا تو عبارات میں خیانتیں کیوں کرتے، امام سخاوی علیہ الرحمہ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے کہ!

''شیخ الاسلام ابوزکریا نووی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الاذکار میں کہا ہے کہ، کہا علماء اور محدثین اور فقہاء وغیرہ نے کہ جائز اور مستحب ہے کہ فضائل اعمال اور ترغیب و ترہیب میں ضعیف حدیث پر عمل کیا جائے لیکن وہ موضوع نہ ہو''۔

اس ساری بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ جس حدیث کے متعلق محدثین یہ کہہ دیں کہ یہ صحیح نہیں تو اس کا مطلب یہ نہیں ہوتا کہ یہ حدیث ہی نہیں، یا یہ کسی کام کی نہیں، یا قابل نفرت ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جائے گا کہ یہ ضعیف ہے، اور ضعیف حدیث کے متعلق آپ نے ساری بحث دیکھ لی کہ یہ قابل عمل ہے۔